ALLAMA IQBAL OPEN UNIVERSITY

AIOU LIBRARY
aioulibrary.com

Name:

Registration No.:

Course Code: 0202

Program:

Semester: Autumn 2026

WhatsApp Orders: +92 324 5836626

علامہ اقبال اوپن یونیورسٹی، اسلام آباد

شعبہ مطالعہ پاکستان

کورس: مطالعہ پاکستان (202)

سطح / پروگرام: میٹرک

سمسٹر: خزاں 2026ء (Autumn 2026)

امتحانی مشق نمبر 2 (یونٹ: 4 تا 6)

کل نمبر: 100 — کامیابی کے نمبر: 40

AIOU LIBRARY aioulibrary.com

Reference &Study For—SOLVED ASSIGNMENT GUIDE

نوٹ: یہ حل شدہ رہنما صرف مطالعے اور حوالے کے لیے ہے۔ طلبہ سے گزارش ہے کہ وہ مشق اپنے الفاظ میں، کتاب کا مطالعہ کر کے خود لکھیں؛ اس رہنما کو ہو بہو نقل کرنا تعلیمی لحاظ سے درست نہیں اور یونیورسٹی کی ہدایات کے بھی خلاف ہے۔

سوال نمبر 1

1945-46 کے انتخابات اور اس کے رزلٹ کا مسلم سیاست پر کیا اثرات تجزیہ کریں۔ (نمبر: 20)

نوٹ: کتابچے میں سوال کی عبارت میں "اثرات" اور "تجزیہ" کے الفاظ باہم ملے ہوئے چھپے ہیں؛ سوال کا واضح مفہوم یہی ہے کہ انتخابات اور ان کے نتائج کے مسلم سیاست پر اثرات کا تجزیہ کیا جائے، جواب اسی مفہوم پر دیا گیا ہے۔

تعارف

دوسری جنگ عظیم کے خاتمے کے بعد برطانوی حکومت نے ہندوستان میں مرکزی اور صوبائی اسمبلیوں کے نئے انتخابات کا اعلان کیا۔ یہ انتخابات 1945ء کے آخر اور 1946ء کے آغاز میں ہوئے۔ ان انتخابات کی خصوصیت یہ تھی کہ مسلم لیگ نے انہیں عملاً اس سوال پر ریفرنڈم بنا دیا کہ آیا برصغیر کے مسلمان الگ وطن پاکستان چاہتے ہیں یا نہیں۔ قائداعظم نے اعلان کیا تھا کہ ہر مسلم نشست پر ووٹ پاکستان کے حق میں یا خلاف رائے دے گا۔ دوسری طرف کانگرس متحدہ ہندوستان کی حامی تھی اور کئی چھوٹی مسلم جماعتیں بھی لیگ کے مقابلے میں میدان میں تھیں۔ اس جواب میں انتخابات کے نتائج بیان کر کے ان کے مسلم سیاست پر اثرات کا تجزیہ کیا جائے گا۔



شکل: 1947ء سے 1988ء تک اہم آئینی و سیاسی مراحل (انگریزی عنوانات کے ساتھ خاکہ)

انتخابی مہم اور ماحول

انتخابی مہم بے مثال جوش و خروش سے لڑی گئی۔ قائداعظم نے ملک گیر دورے کیے، طلبہ خصوصاً علی گڑھ کے طلبہ نے گاؤں گاؤں جا کر پاکستان کا پیغام پہنچایا، اور علما و مشائخ کی ایک بڑی تعداد نے بھی لیگ کی حمایت کی۔ لیگ کے پاس وسائل کانگرس کے مقابلے میں کم تھے، لیکن اس کے پاس ایک سادہ اور واضح نعرہ تھا: اسلام کی شناخت اور مسلم قوم کا الگ مستقبل۔ مخالف مسلم جماعتوں، مثلاً جمعیۃ علما ہند کی حامی قوم پرست شخصیات، یونینسٹ اور خدائی خدمت گاروں نے اپنی اپنی بنیادوں پر مقابلہ کیا، لیکن فضا تیزی سے دو

طرفہ ہوتی گئی۔ کانگرس نے بھی مسلم نشستوں پر امیدوار کھڑے کیے مگر وہ زیادہ تر ان صوبوں تک محدود رہے جہاں ان کی روایتی حمایت موجود تھی۔ انتخابی تقریروں میں بنیادی سوال یہی رہا کہ اقتدار انگریز سے کس کو منتقل ہو گا اور مسلمان اس میں حصے دار ہوں گے یا محکوم۔

نتائج: مرکزی و صوبائی سطح

نتائج نے سب کو حیران کر دیا۔ مرکزی مجلس قانون ساز کی تمام تیس مسلم نشستیں مسلم لیگ نے جیت لیں۔ صوبائی سطح پر بھی لیگ نے مسلم نشستوں کی بھاری اکثریت حاصل کی؛ مجموعی طور پر صوبوں کی تقریباً 495 مسلم نشستوں میں سے لیگ کو لگ بھگ 425 نشستیں ملیں۔ بنگال اور سندھ میں لیگ کی وزارتیں بنیں، پنجاب میں اگرچہ لیگ سب سے بڑی جماعت کے طور پر ابھری مگر یونینسٹ، کانگرس اور اکالی اتحاد نے وزارت بنا کر اسے اقتدار سے باہر رکھا، اور سرحدی صوبے میں کانگرس کی حمایت یافتہ وزارت قائم رہی۔ ان اعداد کا اصل پیغام نشستوں سے بڑھ کر یہ تھا کہ پاکستان کے مطالبے کو مسلمانوں کی عوامی تائید حاصل ہو چکی ہے۔ جو جماعتیں لیگ کی مخالفت کرتی تھیں وہ مسلم حلقوں میں تقریباً ختم ہو کر رہ گئیں۔ یاد رہے کہ اس زمانے میں حق رائے دہی محدود تھا، اس لیے یہ نتائج اسی انتخابی نظام کے اندر سے جانے چاہئیں، مگر اس نظام کے اندر بھی واضح اکثریت کا فیصلہ غیر مبہم تھا۔

اثر اول: لیگ واحد نمائندہ جماعت بن گئی

انتخابات کا پہلا اور سب سے بڑا اثر یہ ہوا کہ مسلم لیگ مسلمانوں کی واحد نمائندہ جماعت کے طور پر تسلیم کی جانے لگی۔ اس سے پہلے انگریز اور کانگرس اکثر یہ موقف اختیار کرتے تھے کہ لیگ صرف ایک طبقے کی نمائندہ ہے اور مسلمانوں کی رائے تقسیم ہے۔ 1946ء کے نتائج کے بعد یہ دلیل ختم ہو گئی۔ اپریل 1946ء میں دہلی میں منتخب مسلم اراکین کا کنونشن ہوا جس نے قرارداد منظور کر کے ایک ہی آزاد مسلم ریاست کے مطالبے کی توثیق کی۔ وائسرائے اور کابینہ مشن کو بھی اب لیگ کو نظر انداز کرنا ممکن نہ رہا۔ کانگرس کو بھی عملی طور پر تسلیم کرنا پڑا کہ ہندوستان کے مستقبل کا کوئی فیصلہ قائداعظم کی رضامندی کے بغیر نہیں ہو سکتا۔ اس نمائندہ حیثیت نے بعد کے تمام مذاکرات کی بنیاد رکھی اور تقسیم کے منصوبے میں لیگ کو فریق اول بنا دیا۔

اثر دوم: مذاکرات، کابینہ مشن اور عبوری حکومت

دوسرا بڑا اثر مذاکرات کی نئی صورت میں ظاہر ہوا۔ مارچ 1946ء میں آیا کابینہ مشن اگرچہ متحدہ وفاق کی تجویز لایا، مگر اس نے بھی صوبوں کے گروپ بنا کر عملی طور پر مسلم اکثریتی علاقوں کی خود مختاری تسلیم کی، جو لیگ کی انتخابی طاقت کا نتیجہ تھا۔ لیگ نے مشن کے منصوبے کو قبول بھی کیا، لیکن کانگرس کی تشریحات اور پنڈت نہرو کے بیانات کے بعد صورت حال بگڑ گئی اور لیگ نے قبولیت واپس لے لی۔ اس کے بعد 16 اگست 1946ء کو یوم راست اقدام منایا گیا جس کے نتیجے میں کلکتہ میں افسوس ناک فرقہ وارانہ فسادات ہوئے؛ اس سانحے نے ثابت کر دیا کہ آئینی تعطل کا حل نہ نکلا تو امن بھی برقرار نہیں رہے گا۔ ستمبر 1946ء میں عبوری حکومت بنی جس میں لیگ بعد میں شامل ہوئی، اور لیاقت علی خان نے وزیر خزانہ کے طور پر موثر کردار ادا کیا۔ یہ تمام پیش رفت اسی انتخابی فیصلے کی کڑیاں تھیں۔

اثر سوم: تقسیم کی راہ ہموار ہونا

تیسرا اور فیصلہ کن اثر یہ ہوا کہ تقسیم ہند ایک نظریاتی مطالبے سے بڑھ کر عملی امکان بن گئی۔ برطانوی حکومت کو یقین ہو گیا کہ کانگرس اور لیگ کے درمیان مرکز کی طاقت پر کوئی پائیدار سمجھوتا ممکن نہیں اور مسلمان اپنے فیصلے پر قائم ہیں۔ فروری 1947ء میں برطانوی وزیر اعظم نے جون 1948ء تک اقتدار منتقل کرنے کا اعلان کیا اور لارڈ ماؤنٹ بیٹن وائسرائے بن کر آئے۔ پنجاب اور بنگال میں وزارتوں کے بحران اور امن و امان کی بگڑتی صورت نے تقسیم کو تیزی دی۔ بالآخر 3 جون 1947ء کا منصوبہ آیا جس نے پاکستان اور بھارت دو ریاستوں کا خاکہ دیا اور 14 اگست 1947ء کو پاکستان قائم ہو گیا۔ اگر 1945-46ء میں لیگ کو یہ کامیابی نہ ملتی تو پاکستان کا مطالبہ کاغذی دعویٰ سمجھا جا سکتا تھا۔ اسی لیے ان انتخابات کو تحریک پاکستان کا فیصلہ کن موڑ اور مسلمانوں کی سیاسی تاریخ کا ریفرنڈم کہا جاتا ہے۔

خلاصہ

خلاصہ یہ ہے کہ 1945-46ء کے انتخابات میں مسلم لیگ نے مرکزی سطح کی تمام اور صوبائی سطح کی بھاری اکثریت مسلم نشستیں جیت کر یہ ثابت کر دیا کہ پاکستان کا مطالبہ مسلمانوں کی اجتماعی خواہش ہے۔ اس کے اثرات یہ نکلے کہ لیگ واحد نمائندہ جماعت تسلیم ہوئی، مذاکرات میں مسلمان برابر کے فریق بنے، کابینہ مشن اور عبوری حکومت جیسے

مراحل اسی طاقت کے گرد گھومے، اور بالآخر تقسیم و قیام پاکستان کی راہ ہموار ہوئی۔ ان انتخابات نے نظریے کو عوامی فیصلے میں بدل دیا، اسی لیے ان کا تجزیہ تحریک پاکستان کی کامیابی کی کنجی سمجھا جاتا ہے۔

سوال نمبر 2

قیام پاکستان کے بعد نئی حکومت کو درپیش مسائل پر بحث کریں۔ (نمبر: 20)

تعارف

14 اگست 1947ء کو پاکستان دنیا کے نقشے پر ایک آزاد ریاست کے طور پر ابھرا، لیکن آزادی کے ساتھ ہی مسائل کا ایک انبار بھی اس کے حصے میں آیا۔ یہ شاید تاریخ کی واحد ریاست تھی جسے وجود میں آتے ہی مہاجرین کی آمد، انتظامی ڈھانچے کی عدم موجودگی، مالی خزانے کی خالی حالت اور سرحدی تنازعات جیسے مسائل ایک ساتھ درپیش ہوئے۔ دارالحکومت کراچی میں سرکاری دفاتر کے لیے عمارتیں تک دستیاب نہیں تھیں اور افسران کو عارضی انتظامات میں کام کرنا پڑا۔ قائداعظم نے اسی لیے قوم کو ایمان، اتحاد اور تنظیم کا درس دیا۔ اس جواب میں قیام پاکستان کے بعد نئی حکومت کو درپیش بڑے مسائل پر بحث کی جائے گی اور یہ بھی دیکھا جائے گا کہ ان ابتدائی بحرانوں نے ریاست کے مستقبل پر کیا اثرات ڈالے۔

انتظامی و آئینی مسائل

سب سے پہلا مسئلہ انتظامی ڈھانچے کا تھا۔ تقسیم کے وقت اعلیٰ سول و فوجی افسران کی اکثریت بھارت چلی گئی اور پاکستان کو تجربہ کار افسران کی شدید کمی کا سامنا کرنا پڑا۔ حکومت کو نئے دفاتر، نئی وزارتوں اور نئی صوبائی انتظامیہ کا نظام شروع سے کھڑا کرنا پڑا۔ کراچی کو دارالحکومت بنایا گیا مگر وہاں سہولتیں ناکافی تھیں۔ اس کے ساتھ ہی آئین سازی کا مسئلہ تھا: عبوری طور پر 1935ء کے ایکٹ کو ترمیم کر کے چلایا گیا، لیکن مستقل آئین کے لیے صوبائی نمائندگی، وفاق و صوبوں کے اختیارات اور مشرقی و مغربی پاکستان کے توازن

جیسے سوالات حل طلب تھے۔ اسی تاخیر نے سیاست میں عدم استحکام پیدا کیا اور گورنر جنرل و وزیر اعظم کے اختیارات کی کشمکش بھی سامنے آئی۔ ریاستی امور کا چلنا مشکل ضرور تھا مگر قائد اعظم کی قیادت، لیاقت علی خان کی حکومت اور افسران کی محنت نے پہلے مہینوں میں نظام کو سنبھالے رکھا۔

مہاجرین کا عظیم بحران

دوسرا بڑا مسئلہ مہاجرین کی آبادکاری تھا۔ تقسیم کے ساتھ ہونے والے فسادات میں لاکھوں افراد بے گھر ہوئے اور پاکستان کی طرف آنے والے مہاجرین کی تعداد ستر لاکھ کے لگ بھگ بتائی جاتی ہے۔ ان کے لیے خوراک، رہائش، علاج اور روزگار کا فوری انتظام حکومت کی سب سے بڑی آزمائش تھا۔ خیمہ بستیاں اور کیمپ قائم کیے گئے، متروکہ املاک کی تقسیم کا نظام بنایا گیا اور انصار و مہاجرین کے بھائی چارے نے اس بحران کو قابل برداشت بنایا۔ تاہم اس مسئلے نے معیشت پر طویل بوجھ ڈالا، شہروں کی آبادی بے تحاشا بڑھی اور کراچی، لاہور اور حیدرآباد جیسے شہروں کا سماجی نقشہ بدل گیا۔ مقامی آبادی اور مہاجرین کے درمیان روزگار و املاک کے سوالات بھی پیدا ہوئے جن کی بازگشت بعد کی سیاست میں سنائی دیتی رہی۔ مقبوضہ علاقوں سے آنے والوں کا صدمہ اجتماعی یادداشت کا حصہ بن گیا اور ریاست کے سماجی اتحاد کے لیے ایک دائمی امتحان بن گیا۔

مالی، معاشی و صنعتی مسائل

معاشی میدان میں پاکستان کو ناگفتہ بہ آغاز ملا۔ متحدہ ہندوستان کی صنعت کا بڑا حصہ بھارت میں رہ گیا؛ پاکستان کے حصے میں زیادہ تر زرعی علاقے آئے جبکہ پٹ سن اگانے والا مشرقی بنگال تو ملا مگر اسے پراسیس کرنے والی ملیں کلکتہ میں تھیں۔ اثاثوں کی تقسیم میں پاکستان کو طے شدہ حصہ بھی مکمل اور بروقت نہ ملا اور اسٹیٹ بینک کے قیام تک کرنسی و خزانے کے معاملات بھی تنازع کا شکار رہے۔ نہری پانی کا تنازع ایک اور سنگین مسئلہ تھا: بھارت نے 1948ء میں پاکستان کی نہروں کا پانی روک دیا جس سے مغربی پنجاب کی زراعت خطرے میں پڑ گئی۔ تجارت کے روایتی راستے ٹوٹ چکے تھے، درآمدات کے لیے زرمبادلہ موجود نہ تھا اور دفاعی اخراجات بھی بڑھ رہے تھے۔ ان حالات کے باوجود حکومت نے اسٹیٹ بینک آف پاکستان (1948ء) قائم کیا، نئی کرنسی جاری کی اور درآمدات متبادل کی پالیسی اپنائی تاکہ ریاست اپنے پاؤں پر کھڑی ہو سکے۔

ریاستوں کا الحاق اور سرحدی تنازعات

مطالعہ پاکستان (202) — حل شدہ مشق نمبر 2 — صفحہ 7

چوتھا مسئلہ نوابی ریاستوں کے الحاق اور سرحدوں کے تنازعات کا تھا۔ جوناگڑھ اور مناوادر کی ریاستوں نے پاکستان سے الحاق کیا مگر بھارت نے فوجی قبضہ کر لیا۔ نظام حیدرآباد کی ریاست بھارت میں شامل کر دی گئی۔ سب سے خطرناک تنازع کشمیر کا تھا جہاں اکثریتی مسلم آبادی کے باوجود مہاراجا نے بھارت سے الحاق کا اعلان کر دیا، جس کے نتیجے میں 1948ء کی جنگ ہوئی اور مسئلہ اقوام متحدہ تک گیا۔ اس تنازع نے پاکستان کی خارجہ و دفاعی پالیسی کی سمت مستقل طور پر متعین کر دی۔ شمال مغرب میں افغانستان نے پاکستان کی اقوام متحدہ میں شمولیت کے خلاف ووٹ دیا اور ڈیورنڈ لائن کا مسئلہ اٹھا دیا۔ ریڈکلف ایوارڈ میں گورداسپور کی تقسیم پر بھی پاکستان کو شدید تحفظات تھے کیونکہ اسی سے بھارت کو کشمیر تک زمینی راستہ ملا۔ ان تنازعات نے کمزور نوزائیدہ ریاست کی توجہ کا بڑا حصہ دفاع کی طرف موڑ دیا۔

سماجی اتحاد، زبان اور صوبائی سوالات

پانچواں مسئلہ قومی اتحاد کا تھا۔ پاکستان دو وفاقوں پر مشتمل تھا جن کے درمیان ہزار میل سے زائد کا بھارتی علاقہ حائل تھا؛ زبان، ثقافت اور معیشت دونوں حصوں میں مختلف تھی۔ 1948ء میں اردو کو واحد قومی زبان قرار دینے کے اعلان پر مشرقی پاکستان میں بنگالی طلبہ نے احتجاج کیا اور زبان کا سوال سیاسی شکل اختیار کر گیا جو 1952ء میں ڈھاکہ کے افسوس ناک واقعات تک جا پہنچا۔ چھوٹے صوبوں میں اختیارات اور وسائل کی تقسیم پر بھی تحفظات تھے۔ مذہبی و لسانی تنوع کو قومی یکجہتی میں ڈھالنا نئی حکومت کے لیے فکری و سیاسی دونوں طرح کا چیلنج تھا۔ قائداعظم نے 11 اگست 1947ء کی تقریر میں تمام شہریوں کی برابری اور مذہبی آزادی کا اصول واضح کیا تھا، لیکن عملی سیاست میں ان سوالات کو حل کرنے میں تاخیر ہوئی۔ بعد کی تاریخ گواہ ہے کہ جن مسائل کو ابتدا میں توجہ نہ ملی، وہی بعد میں بڑے بحران بنے، اس لیے ان ابتدائی مسائل کا مطالعہ پاکستان کی آئینی تاریخ کو سمجھنے کے لیے ناگزیر ہے۔

جدول: قیام پاکستان کے بعد بڑے مسائل — خلاصہ

شعبہ	مسئلہ	فوری اقدام / نتیجہ
انتظامی	افسران و دفاتر کی کمی	عارضی انتظام سے نظام چلایا گیا

کیمپ، متروکہ املاک کا نظام	مہاجرین کی آبادکاری	انسانی
اسٹیٹ بینک کا قیام (1948ء)	خالی خزانہ، صنعت کی کمی	معاشی
بعد میں سندھ طاس معاہدہ (1960ء)	نہری پانی کی روک (1948ء)	آبی
1948ء کی جنگ، اقوام متحدہ سے رجوع	کشمیر الحاق کے تنازعات	خارجہ

خلاصہ

خلاصہ یہ ہے کہ نئی حکومت کو انتظامی و آئینی ڈھانچے کی کمی، مہاجرین کی آبادکاری، خالی خزانہ، معاشی کمزوری، نہری پانی کا تنازع، ریاستوں کے الحاق اور کشمیر جیسے تنازعات اور زبان و صوبائی اتحاد کے سوالات کا ایک ساتھ سامنا تھا۔ یہ مسائل کسی بھی ریاست کے لیے بھاری ہوتے، ایک نوزائیدہ ملک کے لیے تو یہ وجود کا سوال تھے۔ قائداعظم کی قیادت اور عوام کی قربانیوں نے ریاست کو پہلے بحران سے نکالا، تاہم آئین سازی کی تاخیر اور مشرقی و مغربی بازو کے توازن جیسے حل طلب مسائل نے آگے چل کر سیاست پر گہرے اثرات ڈالے۔ ان مسائل کی بحث یہ سبق دیتی ہے کہ آزادی حاصل کرنا اور ریاست کو چلانا دو مختلف امتحان ہیں۔

سوال نمبر 3

پاکستان کے محل وقوع کی اہمیت پر ایک جامع نوٹ لکھیں۔ (نمبر: 20)

تعارف

کسی بھی ملک کی طاقت اور اس کی خارجہ و معاشی پالیسی میں اس کے محل وقوع کو بنیادی حیثیت حاصل ہوتی ہے۔ پاکستان جنوبی ایشیا کے شمال مغربی حصے میں واقع ہے اور اس کی سرحدیں چار ممالک سے ملتی ہیں: مشرق میں بھارت، شمال مشرق میں چین، شمال مغرب میں افغانستان اور مغرب میں ایران، جبکہ جنوب میں بحیرہ عرب اس کے ساحلوں کو چھوتا ہے۔ اس سے بھی بڑی بات یہ ہے کہ پاکستان تین بڑے خطوں، جنوبی ایشیا، وسطی ایشیا اور مغربی ایشیا (مشرق وسطیٰ) کے سنگم پر واقع ہے۔ اس جامع نوٹ میں پاکستان

کے محل وقوع کے جغرافیائی عناصر اور ان کی دفاعی، تجارتی، توانائی اور سفارتی اہمیت کا جائزہ لیا جائے گا، ساتھ یہ بھی دیکھا جائے گا کہ یہی محل وقوع چیلنجز بھی کیوں پیدا کرتا ہے۔

جغرافیائی صورت: سرحدیں، ساحل اور خطے

پاکستان کا رقبہ تقریباً آٹھ لاکھ مربع کلومیٹر ہے۔ اس کے شمال میں دنیا کے بلند ترین چوٹیاں، قراقرم، ہمالیہ اور ہندوکش کے سلسلے ہیں جہاں سے درہ خنجراب چین کو ملاتا ہے۔ مغرب میں بلوچستان کا خشک پہاڑی علاقہ ایران اور افغانستان سے جا ملتا ہے، مشرق میں پنجاب اور سندھ کے زرخیز میدان اور جنوب مشرق میں تھر کا صحرا ہے۔ جنوب میں تقریباً ایک ہزار کلومیٹر طویل ساحل بحیرہ عرب پر واقع ہے جہاں کراچی اور گوادر جیسی بندرگاہیں ہیں۔ دریائے سندھ اور اس کے معاون دریا ملک کی شہ رگ ہیں۔ یہ تنوع پاکستان کو ایک ہی ملک میں پہاڑ، میدان، صحرا اور سمندر کی نعمت دیتا ہے۔ خطے کے اعتبار سے پاکستان خلیج فارس کے توانائی مراکز کے قریب ہے اور خشکی میں گھرے وسطی ایشیائی ممالک کے لیے سمندر تک مختصر ترین راستہ بھی اسی سرزمین سے گزرتا ہے۔ یہی وہ حقیقت ہے جو اس کے محل وقوع کو عالمی دلچسپی کا مرکز بناتی ہے۔

دفاعی و اسٹریٹجک اہمیت

دفاعی اعتبار سے پاکستان کا محل وقوع اسے خطے کی سلامتی کا اہم کھلاڑی بناتا ہے۔ سرد جنگ کے دور سے ہی بڑی طاقتوں نے اس خطے کو اہمیت دی کیونکہ سوویت روس کی گرم پانیوں تک رسائی کی روایتی خواہش کے راستے میں یہی علاقہ آتا تھا۔ چین اور پاکستان کی دوستی میں درہ خنجراب اور قراقرم شاہراہ نے اس اہمیت کو عملی شکل دی۔ گوادر کی گہری بندرگاہ چین کے مغربی علاقوں کے لیے بھی اہم ہے۔ دوسری طرف مشرقی سرحد پر بھارت جیسے بڑے پڑوسی کی موجودگی پاکستان کی دفاعی منصوبہ بندی کا محور رہی ہے۔ یہ بھی حقیقت ہے کہ اسی اسٹریٹجک اہمیت نے پاکستان کو بڑی طاقتوں کی رقابتوں میں الجھایا، افغان جنگوں کے اثرات اس کی سرزمین تک پہنچے اور اسے سلامتی کے اخراجات برداشت کرنا پڑے۔ لہٰذا محل وقوع طاقت بھی ہے اور ذمہ داری بھی؛ دانشمندانہ پالیسی ہی اسے نعمت بنا سکتی ہے۔

تجارتی و نقل و حمل کی اہمیت

تجارت کے لحاظ سے پاکستان کا محل وقوع قدیم زمانے سے مرکزی رہا ہے۔ شاہراہ ریشم کی شاخیں اسی خطے سے گزرتی تھیں اور آج چین پاکستان اقتصادی راہداری (سی پیک) اسی تاریخی راستے کی جدید صورت ہے، جس کے ذریعے کاشغر سے گوادر تک سڑک، ریل اور توانائی کے منصوبے جڑے ہیں۔ وسطی ایشیا کے خشکی میں گھرے ممالک، ازبکستان، تاجکستان، کرغزستان وغیرہ، کے لیے کراچی اور گوادر قریب ترین بندرگاہیں ہیں، اس لیے ان کی تجارت پاکستان کے ذریعے بڑھنے کی بڑی گنجائش موجود ہے۔ افغانستان کی درآمدات کا بڑا حصہ روایتی طور پر کراچی بندرگاہ سے آتا ہے۔ ایران و ترکی سے زمینی رابطہ اور خلیجی ممالک سے مختصر سمندری فاصلہ پاکستان کو علاقائی تجارت کا قدرتی مرکز بناتے ہیں۔ اگر سرحدی انتظامات، کسٹم سہولتیں اور امن وامان بہتر ہوں تو یہی محل وقوع پاکستان کو ٹرانزٹ معیشت کی بڑی آمدنی دلا سکتا ہے۔

توانائی اور معاشی راہداریوں کی اہمیت

توانائی کے نقشے پر بھی پاکستان کی پوزیشن نمایاں ہے۔ ایران سے گیس پائپ لائن، ترکمانستان، افغانستان، پاکستان، بھارت (ٹاپی) گیس پائپ لائن اور قطر سے ایل این جی کی تجارت جیسے منصوبے اسی جغرافیے کی وجہ سے ممکن ہیں۔ مشرق وسطیٰ کے تیل بردار جہازوں کے راستے پاکستان کے ساحل کے قریب سے گزرتے ہیں اور آبنائے ہرمز سے اس کی قربت اسے توانائی کی عالمی سپلائی کے لحاظ سے حساس مقام پر رکھتی ہے۔ سی پیک کے تحت توانائی منصوبوں اور خصوصی اقتصادی زونز نے اس اہمیت کو مزید اجاگر کیا ہے۔ تاہم یہ بھی یاد رکھنا چاہیے کہ پائپ لائن اور راہداری منصوبے خطے کے امن سے جڑے ہیں؛ افغانستان میں عدم استحکام یا ہمسایوں سے کشیدگی ان منصوبوں کو متاثر کرتی ہے۔ اس لیے محل وقوع کی معاشی قدر حاصل کرنے کے لیے سفارتی حکمت عملی اور پائیدار امن ناگزیر شرائط ہیں۔

سفارتی اہمیت اور ذمہ داریاں

سفارتی میدان میں پاکستان کا محل وقوع اسے مسلم دنیا، چین، امریکا اور یورپ سب کے لیے اہم بناتا ہے۔ یہ جنوبی ایشیا کا واحد مسلم ایٹمی ملک ہے، اسلامی تعاون تنظیم میں اس کی آواز سنی جاتی ہے اور خلیجی ممالک کے ساتھ اس کے گہرے تعلقات ہیں۔ چین کے ساتھ اس کی دوستی کو خطے کے توازن میں کلیدی سمجھا جاتا ہے۔ دوسری طرف یہی پوزیشن توقعات بھی پیدا کرتی ہے؛ افغانستان کے مسئلے، کشمیر تنازع اور دہشت گردی کے خلاف جنگ جیسے امور میں عالمی برادری پاکستان کی طرف دیکھتی ہے۔ دانشمندانہ خارجہ پالیسی کا

تقاضا ہے کہ پاکستان اپنے محل وقوع کو رقابتوں کے میدان کے بجائے رابطوں کے پل کے طور پر استعمال کرے: تجارت کھولے، راہداریاں بنائے اور پڑوسیوں سے پرامن تعلقات قائم کرے۔ تب ہی جغرافیے کی یہ نعمت قومی ترقی میں تبدیل ہو گی۔

خلاصہ

خلاصہ یہ ہے کہ پاکستان کا محل وقوع تین خطوں کے سنگم، چار ہمسایہ سرحدوں، طویل سمندری ساحل اور توانائی و تجارت کے راستوں پر واقع ہونے کی وجہ سے غیر معمولی اہمیت کا حامل ہے۔ دفاع، تجارت، توانائی اور سفارت کاری ہر میدان میں یہ پوزیشن پاکستان کو مواقع فراہم کرتی ہے۔ ساتھ ہی یہی محل وقوع اسے خطے کی کشمکشوں سے بھی جوڑتا ہے۔ نتیجہ یہ ہے کہ محل وقوع خود بخود طاقت نہیں بنتا؛ اسے طاقت میں بدلنے کے لیے اندرونی استحکام، اچھی سفارت کاری اور علاقائی رابطوں کا فروغ ضروری ہے، اور یہی اس جامع نوٹ کا اصل سبق ہے۔

سوال نمبر 4

1956 کے آئین کی تشکیل میں مشکلات بیان کریں اور اس آئین کے بنیادی خدوخال پر بحث کریں۔ (نمبر: 20)

تعارف

پاکستان کو قیام کے بعد مستقل آئین بنانے میں نو برس لگے۔ 1947ء سے 1956ء تک ملک عبوری انتظام کے تحت چلا جس کی بنیاد ترمیم شدہ گورنمنٹ آف انڈیا ایکٹ 1935ء تھا۔ پہلی دستور ساز اسمبلی 1954ء میں اس وقت تحلیل کر دی گئی جب وہ آئین کی تکمیل کے قریب تھی، جس سے سیاسی بحران مزید گہرا ہو گیا۔ بالآخر دوسری دستور ساز اسمبلی نے 29 فروری 1956ء کو نیا آئین منظور کیا جو 23 مارچ 1956ء سے نافذ ہوا اور پاکستان باقاعدہ جمہوریہ بن گیا۔ اس جواب میں پہلے آئین سازی میں پیش

آنے والی مشکلات بیان کی جائیں گی اور پھر 1956ء کے آئین کے بنیادی خدوخال پر بحث کی جائے گی، تاکہ یہ سمجھا جا سکے کہ یہ دستاویز کامیابی بھی تھی اور اس کی عمر مختصر کیوں رہی۔

مشکل اول: نمائندگی اور دو ونگوں کا توازن

آئین سازی کی سب سے بڑی مشکل مشرقی اور مغربی پاکستان کے درمیان توازن تھی۔ آبادی کے لحاظ سے مشرقی ونگ اکثریت میں تھا، لیکن انتظامی و سیاسی اثر مغربی ونگ میں زیادہ محسوس ہوتا تھا۔ سوال یہ تھا کہ وفاقی مقننہ میں نمائندگی آبادی کی بنیاد پر ہو تو مشرقی پاکستان غالب آئے گا، اور برابری کی بنیاد پر ہو تو اس کی اکثریت ختم ہو جائے گی۔ اسی مسئلے پر قرارداد مقاصد (1949ء) کے بعد بنیادی اصول کمیٹی کی رپورٹوں پر شدید اختلاف ہوا۔ محمد علی بوگرہ کے فارمولا (1953ء) نے دوایوانی مقننہ اور ونگوں کی برابری کے امتزاج سے حل نکالنے کی کوشش کی، مگر وہ بھی نافذ نہ ہو سکا۔ آخر میں مغربی پاکستان کے صوبوں کو ایک یونٹ (ون یونٹ) میں ضم کر کے دونوں ونگوں کی برابری قائم کی گئی، جس پر چھوٹے صوبوں اور مشرقی ونگ کے کئی حلقوں کو تحفظات رہے۔ یہی بنیادی تنازع آئین سازی کو برسوں کھینچتا رہا۔

مشکل دوم: وفاق کی نوعیت، زبان اور اسلامی دفعات

دوسری مشکل یہ تھی کہ وفاق مضبوط ہو یا صوبے خودمختار، اور اختیارات کی تقسیم کس طرح ہو۔ صوبے زیادہ خودمختاری چاہتے تھے جبکہ وفاقی قیادت مضبوط مرکز کو ریاست کی بقا کے لیے ضروری سمجھتی تھی۔ زبان کا سوال بھی آئین سازی کو متاثر کرتا رہا؛ 1952ء کے بعد بنگالی کو بھی قومی زبان تسلیم کرنا پڑا۔ اس کے علاوہ آئین کا اسلامی کردار بھی بحث کا مرکز تھا: علما اور اسلامی جماعتوں کا مطالبہ تھا کہ کوئی قانون قرآن و سنت کے خلاف نہ بنے، جبکہ جدید تعلیم یافتہ طبقہ جمہوری اداروں کی بالادستی پر زور دیتا تھا۔ یاد رہے کہ شرعی سوالات کی حتمی تشریح اہلِ علم کا حق ہے؛ یہاں صرف آئینی بحث کا تاریخی بیان مقصود ہے۔ قرارداد مقاصد کو تمہید بنا کر ایک درمیانی راہ نکالی گئی جس میں حاکمیت اللہ تعالیٰ کی مانی گئی مگر قانون سازی منتخب نمائندوں کے سپرد کی گئی۔ ان تینوں سوالات، وفاق، زبان اور مذہب، پر ہر مسودہ تقسیم کا شکار ہوا۔

مشکل سوم: سیاسی عدم استحکام اور اسمبلی کی تحلیل

تیسری مشکل سیاسی ماحول کی تھی۔ 1951ء میں وزیر اعظم لیاقت علی خان کی شہادت نے قیادت کا بحران پیدا کیا، وزرائے اعظم تیزی سے بدلنے لگے اور بیوروکریسی و گورنر جنرل کا کردار بڑھتا گیا۔ 1953ء میں خواجہ ناظم الدین کی وزارت برطرف کی گئی، اور 1954ء میں گورنر جنرل غلام محمد نے پہلی دستور ساز اسمبلی ہی تحلیل کر دی، جسے وفاقی عدالت نے متنازع حالات میں درست قرار دیا۔ ان واقعات نے آئین سازی کو جمہوری عمل کم اور طاقت کی کشمکش زیادہ بنا دیا۔ صوبائی سیاست میں بھی حکومتوں کی تبدیلی عام تھی اور مشرقی پاکستان میں 1954ء کے انتخابات میں متحدہ محاذ کی جیت نے مرکز کے ساتھ کشیدگی بڑھا دی۔ ان حالات میں جو آئین بنا وہ ہنگامی سمجھوتوں کی پیداوار تھا، اس لیے اس میں کئی سوالات بعد کے لیے چھوڑ دیے گئے۔

1956ء کے آئین کے بنیادی خدوخال: طرز حکومت و وفاق

1956ء کے آئین کے مطابق پاکستان ایک وفاقی، پارلیمانی جمہوریہ قرار پایا جس کا سرکاری نام اسلامی جمہوریہ پاکستان رکھا گیا۔ صدر ریاست کا سربراہ تھا جبکہ اصل اختیارات وزیر اعظم اور کابینہ کے پاس تھے۔ مقننہ ایک ایوانی قومی اسمبلی تھی جس میں دونوں ونگوں سے برابر تین سو نشستیں رکھی گئیں اور بالغ رائے دہی و مشترکہ انتخاب کا اصول اپنایا گیا۔ اختیارات کی تین فہرستیں بنائی گئیں: وفاقی، صوبائی اور مشترکہ۔ اردو اور بنگالی دونوں کو قومی زبانیں تسلیم کیا گیا۔ شہریوں کو بنیادی حقوق کی ضمانت دی گئی جن میں زندگی، آزادی، مساوات اور مذہبی آزادی کے حقوق شامل تھے اور عدلیہ کو ان کی حفاظت کا ذمہ دار بنایا گیا۔ صدر کے انتخاب کے لیے انتخابی کالج کا نظام رکھا گیا۔ ان خدوخال سے ظاہر ہوتا ہے کہ آئین نے برطانوی پارلیمانی روایت کو پاکستانی حالات کے مطابق ڈھالنے کی کوشش کی تھی۔

اسلامی دفعات، نفاذ اور انجام

آئین میں اسلامی دفعات بھی شامل کی گئیں: قرارداد مقاصد کو تمہید بنایا گیا، ریاست کا مذہب اسلام قرار پایا، صدر کے لیے مسلمان ہونے کی شرط رکھی گئی، اور یہ اصول رکھا گیا کہ کوئی قانون قرآن و سنت کے خلاف نہیں بنایا جائے گا جس کی جانچ کے لیے اسلامی تحقیقی ادارے کے قیام کی تجویز بھی شامل تھی۔ شرعی احکام کی عملی تشریح و نفاذ کے سوالات بہرحال اہل علم و مقننہ کے دائرے میں رہے۔ آئین کا کمزور پہلو یہ تھا کہ اسے نافذ کرنے والی سیاسی قوت منتشر تھی؛ حکومتیں غیر مستحکم رہیں اور عام انتخابات کا وعدہ

بھی بار بار ٹلتا رہا۔ اکتوبر 1958ء میں صدر اسکندر مرزا نے آئین منسوخ کر کے مارشل لا لگا دیا اور چند ہفتوں بعد جنرل ایوب خان اقتدار پر قابض ہو گئے۔ یوں پہلا آئین صرف ڈھائی برس چل سکا۔ اس کا انجام یہ سبق دیتا ہے کہ آئین صرف دستاویز سے مضبوط نہیں ہوتا؛ سیاسی قوتوں کا اس کے احترام پر اتفاق اور وقت پر انتخابات بھی اتنے ہی ضروری ہیں۔

جدول: 1956ء کے آئین کے خدوخال — ایک نظر میں

دفعہ / انتظام	پہلو
اسلامی جمہوریہ پاکستان	نام
وفاقی، پارلیمانی جمہوریہ	طرزِ حکومت
ایک ایوانی قومی اسمبلی؛ دونوں ونگوں کی 300 نشستیں (150+150)	مقننہ
اردو اور بنگالی — دونوں قومی زبانیں	زبانیں
23 مارچ 1956ء تا 7 اکتوبر 1958ء	عمر

خلاصہ

خلاصہ یہ ہے کہ 1956ء کے آئین کی راہ میں ونگوں کی نمائندگی کا تنازع، وفاق و صوبائی خود مختاری کا سوال، زبان کا مسئلہ، اسلامی دفعات پر بحث اور شدید سیاسی عدم استحکام بڑی مشکلات تھیں۔ جن سمجھوتوں سے یہ آئین بنا، ان میں ونگوں کی برابری، ون یونٹ، پارلیمانی نظام، دو قومی زبانیں اور اسلامی تمہید شامل تھیں۔ یہ آئین پاکستان کی پہلی مکمل آئینی کامیابی تھی جس نے ملک کو جمہوریہ بنایا، مگر اس کی مختصر عمر نے یہ واضح کر دیا کہ آئینی ڈھانچے کے ساتھ سیاسی استحکام بھی لازم ہے۔ بعد کے آئینوں، خصوصاً 1973ء کے آئین پر اس تجربے کے اثرات واضح نظر آتے ہیں۔

مطالعہ پاکستان (202) — حل شدہ مشق نمبر 2 — صفحہ 15

سوال نمبر 5

ضیاءالحق کے دور حکومت کا تنقیدی جائزہ لیں۔(نمبر: 20)

تعارف

جنرل محمد ضیاءالحق کا دور 5 جولائی 1977ء سے 17 اگست 1988ء تک تقریباً گیارہ برس پر محیط ہے، جو پاکستان کی تاریخ کا طویل ترین فوجی دور ہے۔ یہ دور ذوالفقار علی بھٹو کی حکومت کے خاتمے سے شروع ہوا اور ضیاءالحق کی طیارہ حادثے میں ہلاکت پر ختم ہوا۔ اس عرصے میں اسلامائزیشن کی پالیسی، افغان جنگ، معاشی تبدیلیاں، عدلیہ و میڈیا پر پابندیاں اور سیاسی جماعتوں پر قدغن جیسے بڑے واقعات ہوئے۔ کسی بھی دور کا تنقیدی جائزہ متوازن انداز میں ہونا چاہیے، جس میں کامیابیوں اور کمزوریوں دونوں کو شواہد کے ساتھ دیکھا جائے۔ اس جواب میں اسی اصول کے تحت ضیاء دور کے سیاسی، مذہبی، معاشی، سماجی اور خارجہ پہلوؤں کا جائزہ لیا جائے گا۔ یاد رہے کہ مذہبی احکام کی شرعی تشریح اہل علم کا کام ہے؛ یہاں اسلامائزیشن کو ایک حکومتی پالیسی کے طور پر تاریخی جائزے میں رکھا گیا ہے۔

اقتدار میں آمد اور سیاسی نظام

1977ء کے انتخابات کے بعد دھاندلی کے الزامات پر اپوزیشن اتحاد پاکستان قومی اتحاد کی تحریک چلی اور ملک گیر احتجاج و ہنگاموں کے بعد فوج نے مارشل لا لگا دیا۔ ضیاءالحق نے نوے دن میں انتخابات کا وعدہ کیا مگر وہ وعدہ بار بار ٹلتا رہا اور غیر جماعتی انتخابات 1985ء میں جا کر ہوئے۔ بھٹو کو ایک قتل کے مقدمے میں سزائے موت دی گئی جس پر آج تک قانونی و سیاسی حلقوں میں بحث جاری ہے؛ ناقدین اسے عدالتی تاریخ کا متنازع باب قرار دیتے ہیں جبکہ حامی اسے قانون کے نفاذ سے تعبیر کرتے تھے۔ سیاسی جماعتوں پر پابندی، سیاست دانوں کی نااہلی، کوڑوں اور قید جیسی سزائیں اور صحافت پر سنسر شپ اس دور کی نمایاں خصوصیات رہیں۔ 1985ء کے انتخابات کے بعد محمد خان جونیجو وزیر اعظم بنے مگر آئین کی آٹھویں ترمیم نے صدر کو اسمبلی تحلیل کرنے کا اختیار دے دیا، جس کا استعمال کر کے 1988ء میں جونیجو حکومت برطرف کر دی گئی۔ تنقیدی نظر سے دیکھا جائے تو اس دور نے جمہوری اداروں کو کمزور کیا اور سیاست میں غیر جماعتی و مقامی گروہ بندی کی بنیاد رکھی، جس کے اثرات بعد کی سیاست میں بھی نظر آتے ہیں۔

مطالعہ پاکستان (202) — حل شدہ مشق نمبر 2 — صفحہ 16

اسلامائزیشن کی پالیسی: دعوے اور تنقید

ضیاء دور کی سب سے مشہور پالیسی نظام مصطفیٰ کے نام پر اسلامائزیشن تھی۔ اس کے تحت حدود آرڈیننس (1979ء)، زکوٰۃ و عشر کا نظام (1980ء)، وفاقی شرعی عدالت کا قیام، بلاسود بینکاری کے تجربات اور تعلیمی نصاب کی تبدیلی کی گئیں۔ حامیوں کے نزدیک یہ اقدامات اکثریت کی دینی خواہشات کی تکمیل اور معاشرے کی اخلاقی اصلاح کی کوشش تھے۔ ناقدین کے نزدیک ان کا نفاذ مشاورت و اتفاقِ رائے کے بغیر ہوا، بعض قوانین خصوصاً خواتین اور اقلیتوں کے حوالے سے سخت تنقید کا نشانہ بنے، اور عمل درآمد میں انتخاب و امتیاز کے الزامات لگے۔ یہ بھی کہا جاتا ہے کہ مذہب کو سیاسی جواز کے طور پر استعمال کیا گیا جس سے فرقہ واریت کو فروغ ملا۔ اس بحث کی شرعی جہتوں کا فیصلہ اہل علم پر چھوڑنا ہی مناسب ہے۔ تاریخی اعتبار سے اتنا ضرور واضح ہے کہ اسلامائزیشن نے ریاست و مذہب کے تعلق پر ایک طویل بحث کو جنم دیا جو آج بھی جاری ہے اور قوانین میں کئی تبدیلیاں بعد کی منتخب حکومتوں نے بھی برقرار رکھیں۔

معاشی پالیسی: استحکام اور اس کے محرکات

معاشی میدان میں ضیاء دور کو نسبتاً استحکام کا دور کہا جاتا ہے۔ خلیجی ممالک میں پاکستانی مزدوروں کی ترسیلات زر بڑھیں، افغان جنگ کے تناظر میں مغربی امداد آئی، نجی شعبے کی حوصلہ افزائی کی گئی اور قومیانے کی پالیسی سے واپسی ہوئی۔ شرح نمو اوسطاً مناسب رہی، روپیہ ایک عرصے تک نسبتاً مستحکم رہا اور برآمدات میں اضافہ ہوا۔ تاہم ناقدین یہ نشاندہی کرتے ہیں کہ یہ استحکام زیادہ تر بیرونی عوامل، مہاجر مزدوروں کی ترسیلات اور جنگی امداد، پر منحصر تھا، نہ کہ اندرونی پیداواری اصلاحات پر۔ ٹیکس نظام کی کمزوری، بجٹ خسارہ اور سرکاری اداروں کے نقصانات جیسے بنیادی مسائل حل نہ ہوئے۔ افغان مہاجرین کی تیس لاکھ سے زائد آبادی نے صوبہ سرحد اور بلوچستان کی معیشت و سماج پر بھی بھاری دباؤ ڈالا۔ اس طرح اس دور کی معاشی کارکردگی کو اس کے اسباب کے ساتھ پڑھنا ضروری ہے تاکہ تصویر کا صرف ایک رخ دیکھ کر نتیجہ نہ نکالا جائے۔

افغان جنگ، خارجہ پالیسی اور سماجی اثرات

1979ء میں سوویت یونین کی افغانستان میں مداخلت کے بعد پاکستان فرنٹ لائن ریاست بن گیا۔ ضیاء حکومت نے امریکا اور سعودی عرب کے تعاون سے افغان مزاحمت کی حمایت کی اور لاکھوں مہاجرین کو پناہ دی، جسے عالمی سطح پر سراہا گیا اور سوویت انخلا (1988ء) کے بعد اس پالیسی کو بڑی کامیابی قرار دیا گیا۔ لیکن اسی جنگ نے پاکستان کے معاشرے پر گہرے منفی اثرات بھی ڈالے: اسلحے اور منشیات کی کلچر پھیلی، جسے عرف عام میں کلاشنکوف اور ہیروئن کلچر کہا جاتا ہے؛ فرقہ وارانہ تنظیموں کو فضا ملی؛ اور قبائلی و سرحدی علاقوں کا سماجی توازن بگڑا۔ سفارتی سطح پر پاکستان امریکا کے قریب ہوا اور اس کی ایٹمی پروگرام پر پابندیوں کے باوجود امداد جاری رہی، مگر یہ قربت جنگ کے خاتمے کے ساتھ سرد پڑ گئی۔ تنقیدی جائزہ یہ ہے کہ خارجہ کامیابی کی قیمت اندرونی سمن پر پڑی، اور اس کے مسائل آنے والی دہائیوں تک قائم رہے۔

دور کا انجام اور مجموعی تشخیص

17 اگست 1988ء کو بہاولپور کے قریب طیارہ حادثے میں ضیاء الحق کی ہلاکت کے ساتھ یہ دور اچانک ختم ہو گیا۔ اسی سال نومبر میں انتخابات ہوئے اور جمہوریت بحال ہوئی، مگر آٹھویں ترمیم، غیر جماعتی سیاست کی روایات، فرقہ واریت اور اسلحہ و منشیات کے مسائل ورثے میں باقی رہے۔ مجموعی تشخیص: کہا یہ کہا جا سکتا ہے کہ ضیاء دور نے معاشی استحکام اور افغان جنگ میں اسٹریٹجک کامیابی حاصل کی، پاکستان کی عالمی اہمیت بڑھائی اور اسلامائزیشن کے ذریعے ریاست کے کردار پر نئی بحث شروع کی۔ دوسری طرف جمہوری ادارے کمزور ہوئے، آئینی توازن صدر کے حق میں بگڑا، سیاسی ثقافت میں عدم برداشت بڑھی اور معاشرے میں ایسے رجحانات جڑ پکڑ گئے جن کا نقصان طویل مدت تک ہوا۔ یہی دور کی تصویر ہی اصل تنقیدی جائزہ ہے: کسی دور کو مکمل اچھا یا مکمل برا کہنا تاریخ کے ساتھ انصاف نہیں؛ اصل سبق یہ ہے کہ اداروں کی مضبوطی اور آئین کی بالادستی ہی پائیدار ترقی کی ضمانت ہوتی ہے۔

خلاصہ

خلاصہ یہ ہے کہ ضیاء الحق کا دور کامیابیوں اور کمزوریوں کا مجموعہ تھا۔ اسلامائزیشن، معاشی استحکام اور افغان جنگ میں کردار اس کے مثبت پہلوؤں میں گنے جاتے ہیں، جبکہ طویل مارشل لا، سیاسی و صحافتی پابندیاں، آٹھویں ترمیم، بھٹو کی پھانسی پر جاری بحث اور اسلحہ و منشیات و فرقہ واریت جیسے سماجی نقصانات اس پر تنقید کی بنیاد ہیں۔ تنقیدی جائزے کا

مقصد کسی شخصیت کی حمایت یا مخالفت نہیں، بلکہ یہ سمجھنا ہے کہ گیارہ برس کی پالیسیوں نے اداروں اور معاشرے کو کس رخ پر ڈالا۔ اس دور کا سب سے بڑا اسباق یہ ہے کہ طاقت کے ذریعے حاصل کردہ استحکام عارضی ہوتا ہے، جبکہ جمہوری تسلسل ہی ریاست کو دیرپا مضبوطی دیتا ہے۔

AIOU LIBRARY
aioulibrary.com